ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.3(2023)
(October to December)

قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں نظریہ پاکستان کے عناصر

Elements of Pakistan Ideology in the fictions of Qurratul Ain Haider

شاندانہ

ایم۔فل اُردو، سکالر، قرطبہ یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

سمیع الحق

پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

ڈاکٹر تحسین بی بی

صدر شعبۂ لسانیات وادبیات اُردو، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

Shandana

M.Phil Scholer, Department of Urdu, Qurtuba University of Science & Information Technology, Peshawar

Samiul Haq

Ph.D Scholar, Department of Urdu, Islamia College University, Peshawar

Dr. Tahseen Bibi

Head of Department, Urdu Linguistics & Literature, Qurtuba University of Science & Information Technology, Peshawar

Abstract:

To discuss the creative works of Qurat ul Ain Haider (1927-2007) is like to lend light to the sun. Qurat ul Ain Haider began fiction writing at a time when the twentieth century world had gone through many intellectual and political revolutions. The short fiction she wrote during that period deals with the creation of Pakistan, migration, the collapse of human relations, a newborn nation, injustice with the migrants, thirteen-year long exile and the return to her own country. Her fictional creations are realistic portraits of circumstances that emerged in the wake of the creation of Pakistan and the riots thereafter. Because of this realism, Qurat ul Ain Haider enjoys a unique and high place as an Urdu fiction writer.

Keywords: Qurat ul Ain Haider,Creation of Pakistan, Migration,Political, unique, revolutions,Urdu Fiction.

قرۃ العین حیدر (۱۹۲۷ء۔۲۰۰۷ء) اردو افسانے کا ایک اہم نام ہے جس نے اپنے افسانوں میں مختلف قسم کے موضوعات کو جگہ دی ہے۔ انھوں نے بیک وقت ناول اور افسانے دونوں میں نام کمایا اور زندگی سے متعلق ان تمام حقائق کو پیش کیا جو ایک تخلیق کار کو اعلیٰ مقام تک پہنچانے میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں۔ معاشرے کے حالات کے مطابق فرد کی ذہنیت خود بخود تبدیل ہوتی رہتی ہے اور

ذہن کی یہ تبدیلی کسی اچھے یا برے اثرات کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اس غیر یقینی صورتحال میں اپنے دور کے انسان کے خیالات، نفسیات اور تاثرات کا ایسا نقشہ کھینچا ہے جس سے قاری بیک وقت رنجیدہ بھی ہوتا ہے اور کبھی کبھار ایک فرحت بخش احساس سے بھی ہمکنار ہوتا ہے۔ جس دور میں بڑے بڑے افسانہ نگار زندگی کے تلخ و شیریں واقعات سے پردہ ہٹا کر افسانے کی تخلیق کر رہے تھے اس دور میں قرۃ العین حیدر نے بھی اپنے قلم کا جادو جگایا اور ایسے افسانے تخلیق کیے جو معاشرے کی حقیقی تصویر بن کر سامنے آئے اور یوں وہ اردو افسانہ نگاری کے بڑے تخلیق کاروں کی صف میں شامل ہو گئیں۔ قرۃ العین حیدر نے اس دور میں افسانے لکھنے کا آغاز کیا جب ہندوستان دوسری جنگِ عظیم کی دلدل میں پھنستا جا رہا تھا اور یہاں کے لوگ حالات کے اس تغیر سے بڑی حد تک متاثر ہو رہے تھے۔ یہ دور مسلمانوں کی بیداری کا دور تھا کہ ہندوستان میں آزادی کی مختلف تحریکیں سر اُٹھا رہی تھیں اور تحریک آزادی اپنے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس دور کے حالات قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد اس عہد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "یہ ایسا دور ہے کہ ہندوستان میں تحریک آزادی اپنے فیصلہ کن دور میں داخل ہو رہی ہے، مسلم قومیت کی بیداری کے آثار ہیں، بالادستی کا خواہاں برہمنی کروٹ لے رہا ہے۔ اس لیے کبھی نہ کبھی باہر کی گرمجوشی، اس بزم کے رنگ میں بھنگ ڈالتی ہے۔"(۱)

بیسویں صدی کے ابتدا سے ہی مسلمان آزادی کے لیے سرگرم نظر آئے اور اس کی وجہ ان پر کیے گئے وہ مظالم ہیں جو انگریزوں سے ہوتے ہوئے سامراجی قوتوں تک کا احاطہ کرتے ہیں، کیوں کہ انیسویں صدی میں مسلمانوں کو ذلت کی جس پستی میں دھکیلا گیا اور ان کے ماضی کے نقوش مٹانے کی کوشش کی گئی اس سے برصغیر کے مسلمانوں کو کافی رنج پہنچا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی بے بسی اور زوال نے انھیں اس بات پر مجبور کیا کہ اپنے لیے ایک الگ ملک کا قیام عمل میں لائیں جہاں وہ آزادی کے ساتھ سکھ کا سانس لے سکیں اور اپنے روزمرہ کے معمولات کو اپنی مرض سے بجالا سکیں۔ قرۃ العین حیدر نے ان مظلوموں کی آواز کو دنیا تک پہنچانے کے لیے افسانے سے کام لیا اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنا فرض بھی ادا کیا۔ اس حوالے سے مسرت جہاں لکھتی ہیں:

> "ان کے افسانے رومانیت اور حقیقت نگاری کا سرچشمہ ہیں۔ مطالعے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو بہت قریب سے دیکھتی ہیں۔ پوری دنیا دکھ درد میں مبتلا ہے۔ زندگی کا ہر قدم امتحان آفرین ہے۔ زندگی میں انتشار اور نزاع ہے۔ دن رات موت کا بادل منڈلا رہا ہے۔ زندگی کی یہی اُداسی اور المناکی ان کے دوسرے دور پر حاوی ہے۔"(۲)

یہ آزادی کا دور تھا جس میں مسلمانوں کو نشانۂ ستم بنایا گیا اور ان کے ساتھ ظلم کی انتہا کی گئی۔ بے گناہوں کو مارا گیا، باحیا عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا گیا، بچوں کو اپنے والدین سے الگ کر دیا گیا۔ ان سے پہلے کے حالات پر اگر نظر ڈالی جائے تو سیاسی ہلچل اور ہنگامہ آرائی کی وجہ سے ہر ایک کی زبان پر سیاسی بحث جاری تھی ہر ایک آزادی کے متعلق اظہارِ خیال کرتا ہے اور اپنی رائے سے دوسروں کو باخبر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان میں بیشتر تو پاکستان کے متعلق اپنے نظریات قائم کر چکے ہوتے ہیں۔ اور بعض ابھی تک ان باتوں سے بے خبر تھے۔ ان کے علاوہ ایسے افراد بھی ہیں جو پاکستان کے حوالے سے بات سننا بھی نہیں چاہتے تو پاکستان کے مسائل کا حل تو دور کی بات ہے۔ قرۃ العین نے اپنے افسانوں میں ان تمام حالات و واقعات کی ترجمانی نہایت خوبصورتی سے کی ہے۔ افسانہ "لندن لیٹر" میں انگریزوں کے اس رویے پر کاری چوٹ لگائی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستان کے حوالے سے کس حد تک حسد

کا شکار ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان کی رقاصاؤں کے دلدادہ تو ہیں اور ان کی آنے والی فلم کی ٹکٹ خریدنے کے لیے گھنٹوں انتظار کر سکتے ہیں لیکن کشمیر کے مسئلے پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتے اور پاکستان کی بات سننے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہے، یہی رویہ سراسر بغض اور نفرت پر مبنی ہے جو پاکستان کے حوالے سے ان لوگوں کی سوچ کی غمازی کرتا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے بڑی فنکاری سے ان کے اس رویے کو افسانہ "لندن لٹیر" میں پیش کیا ہے۔ جیسے:

> "میرے پاکستانی پڑھنے والے مجھے معاف فرمائیں۔ جب میں اس ضمن میں ہندوستان آرٹ کا ذکر کروں گی، کیوں کہ جب یہ لوگ لفظ پاکستان سے ہی زیادہ واقف نہیں تو پاکستانی آرٹ وغیرہ کا تذکرہ تو بہت دور کی بات ہے)۔ ہندوستانی رقاصوں کے ایک ڈانس پروگرام سے اس ملک کی جتنی پبلسٹی یہاں ایک شام میں ہو جاتی ہے اس کا تدارک یا مقابلہ ہمارے ایک ہزار پمفلٹ بھی نہیں کر سکتے۔ ہم کتنا ہی ان کو اپنے ریفیوجی پر البلم، اپنے کشمیر کے کیس اور اپنی ترقی کی اسکیموں کے متعلق بتائیں لیکن پڑھے طبقے کے ایک مخصوص حصے کے علاوہ ایک عام برطانوی مرد یا عورت کو یہ جاننے کے متعلق خواہش یا پروا نہیں کہ ہمارا سکھر براج کیا شے ہے۔ یا ہم کتنی جوٹ ملز قائم کرنے والے ہیں۔ جبکہ شیریں وجیفدار کے بیلے یا نمی اور دلیپ کمار کی فلم آن کو دیکھنے کے لیے لندن کا ایک عام شہری گھنٹوں لیٹر اسکوائر میں ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے سامنے کیو لگائے صبر و اشتیاق سے کھڑا رہتا ہے۔"(۳)

یہ وہی لوگ ہیں جن کی چالاکی اور عیاری کی وجہ سے برصغیر کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا اور مسلمانوں کی شان و شوکت اور صدیوں کی حکمرانی خاک میں مل گئی۔ ان تمام پس منظر پر قرۃ العین حیدر کی گہری نظر تھی جس کی بدولت ان کے افسانوں میں انگریزوں کے لیے کسی بھی جگہ جذبۂ محبت نہیں ابھرتا۔ یوں تو ان کے اکثر افسانوں میں زیادہ تر کردار بھی انگریز ہی ہیں اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی کا زیادہ تر عرصہ یورپ اور دیگر انگریز ممالک میں گزرا لیکن جہاں پر مسلمانوں کی بات آتی ہے اور خصوصاً پاکستان کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں پر وہ ایک محبِ وطن تخلیق کار کی صورت میں اُبھر کر سامنے آتی ہیں۔ ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں چاروں طرف سیاسی مسائل پر گفت و شنید جاری تھی۔ استعفوں سے لے کر جواہر لال نہرو اور قائد اعظم محمد علی جناح کے موقف پر بات کرتے ہوئے ہر ایک فرد اپنا اظہارِ خیال بیان کرتا تھا۔ افسانہ "برف باری سے پہلے" میں اس قسم کے سیاسی مباحث دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں اس دور کے افراد اور اس دور کے حالات کی ترجمانی ہوتی ہے:

"جہاں چار آدمی اکٹھے ہوتے یہ لازمی بات تھی کہ سیاست پر رائے زنی شروع ہو جائے۔ جواہر لال نہرو نے یہ کہا۔ قائد اعظم نے یہ کہا۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ کہا۔ یہ اچھا ہوا۔ یہ برا ہوا۔ تم کیسے آئے؟ میں ایسے آیا۔ میں یوں لٹا۔ میں نے راستے میں یوں تکلیفیں اُٹھائیں۔ فلاں ملازم ہو گیا۔ فلاں نے استعفیٰ دے دیا۔ فلاں کراچی میں ہے۔ فلاں پنڈی پہنچ چکا ہے۔"(۴)

ان سیاسی مباحث کی وجہ اس دور کے حالات تھے۔ حالاں کہ ہندوستان میں مسلمان اپنا تہذیبی وقار رکھتے تھے اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی الگ پہچان رکھتے تھے، اور انگریزوں کے خلاف ہر دور میں بر سرِ پیکار بھی یہی مسلمان رہے ہیں۔ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد ہندوستان میں انگریزوں نے ایسی پالیسی بنا رکھی تھی کہ جہاں پر مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی وہاں پر ہندو آفیسروں کو تعینات کیا گیا اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت زیادہ تھی وہاں پر مسلمانوں کو منتخب کیا اور مسلمان اپنی ثقافت اور تہذیبی روایات کی وجہ سے بڑے مکرم سمجھے جاتے تھے۔ قرۃ العین حیدر مسلمانوں کے اس تہذیبی ترفع کا قصہ افسانہ "جلاوطن" میں یوں بیان کرتی ہیں:

"ویسے انگریزوں کی پالیسی یہ تھی کہ جن ضلعوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ وہاں ہندو افسر کو تعینات کیا جاتا تھا اور جہاں ہندو زیادہ ہوتے تھے وہاں مسلمان حاکموں کو بھیجا جاتا تھا تاکہ توازن قائم رہے۔ یہ دوسری بات تھی کہ صوبے کی چھ کروڑ آبادی کا صرف ۱۳ فیصد حصہ مسلمان تھے۔ لیکن اتنی شدید اقلیت میں ہونے کے باوجود تہذیبی اور سماجی طور پر مسلمان ہی سارے صوبے پر چھائے ہوئے تھے۔ جونپور، لکھنؤ، آگرہ، علی گڑھ، بریلی، مراد آباد، شاہجہانپور وغیرہ جیسے ضلعوں میں تو مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن باقی سارے خطوں میں بھی ان کا بول بالا تھا۔ صوبے کی تہذیب سے مراد وہ کلچر تھا جس پر مسلمانوں کا رنگ غالب تھا۔ گلی گلی محلے محلے گاؤں گاؤں سینکڑوں ہزاروں مسجدیں اور امام باڑے تھے۔ مکتب، مدرسے، درگاہیں، قلعے حویلیاں۔ چپے چپے سے مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ پرانی روایات وابستہ تھیں۔ اور لطف یہ کہ مسلمان اب تک نہیں مرے تھے۔ بڑے زور و شور سے زندہ تھے۔"(۵)

مسلمانوں کے اس زندہ ضمیر کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی جس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے پاکستان کے لیے جدوجہد کو اپنا مقصد بنایا۔ اسی سیاسی خلفشاری کی وجہ سے ان لوگوں نے بھی پاکستان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ جسے سیاسی معاملات کی کوئی شدھ بدھ نہیں تھی۔ اس حوالے سے ان کا افسانہ "اودھ کی شام" ایک اہم کاوش ہے۔ یہ افسانہ در اصل یہ اس مشترکہ تہذیب کی عکاسی کرتا ہے جو تقسیم سے پہلے ہندو اور مسلمانوں نے مشترکہ طور پر اپنائی تھی۔ اس افسانے میں ایک کردار ہندوستان کی ثقافت کی بات کرتا ہے تو راوی اسے ٹوکتی ہے کہ ہندوستان سے محبت کرتے ہوئے بھی ملک کی واحد جماعت کے خلاف الیکشن کیوں لڑا۔ افسانے سے مثال ملاحظہ کریں:

"در اصل بالوں میں پھول سجانے کا ہم لوگوں کو ایک خاص فن آتا ہے کیونکہ ہندوستان پھولوں، خوشبوؤں اور نغموں کا ملک ہے۔ سمجھے؟ ارے کیا ہندوستان ہندوستان چلا رہی ہو۔ ابھی گئی تھی ملک کی واحد قومی جماعت کے خلاف الیکشن میں حصہ لینے۔ لیگ کی ایجنٹ کہیں کی۔۔۔۔۔ اس سے پولیٹکس کی باتیں نہ کرو۔ یہ تمہیں پاکستان کا مطلب بھی نہیں سمجھا سکے گی۔ آج تک نہیں سمجھا پائی اور پاکستان ہو جائے گا۔"(۶)

نئے ملک کی آزادی اور حقوق کے حصول کے تجسس کے حوالے سے افسانہ "پت جھڑ کی آواز" ایک بہترین مثال ہے۔ اس افسانے میں خصوصاً اس امر نشاندہی کی گئی ہے کہ جہاں ہندوستان میں بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے لوگوں کی جان، مال اور عزت محفوظ نہیں تھی۔ کوئی اپنا کاروبار نہیں کر سکتا تھا اور لوگ جوق در جوق پاکستان کی جانب ہجرت کر رہے تھے۔ اسی طرح فاروق نے بھی راوی کو خط لکھ کر پاکستان جانے کی صلاح دی۔ مملکتِ پاکستان ہی ان حالات میں وہ واحد امید تھی جو ان مظلوموں کی زندگی کے مسائل کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ اور وہاں پر زندگی کے حسین لمحات ان کے منتظر تھے۔ اس حوالے سے افسانے کا اقتباس کچھ یوں ہے:

"اس زمانے میں دلی میں گڑبڑ شروع ہوئی اور فسادات کا بھونچال آ گیا۔ فاروق نے مجھے میرٹھ خط لکھا کہ تم فوراً پاکستان چلی جاؤ میں تم سے وہیں ملوں گا۔ میرا پہلے ہی سے ارادہ تھا۔ ابا بھی بے حد پریشان تھے اور یہی چاہتے تھے کہ ان حالات میں اب انڈیا میں نہ رہوں جہاں شریف مسلمان لڑکیوں کی عزتیں مستقل خطرے میں ہیں۔ پاکستان اپنا اسلامی ملک تھا۔ اس کی بات ہی کیا تھی۔ ابا جائیداد وغیرہ کی وجہ سے فی الحال ترک وطن نہ کر سکتے تھے۔ میرے بھائی دونوں بہت چھوٹے چھوٹے تھے اور اماں جان کے انتقال کے بعد ابا نے ان کو میری خالا کے پاس حیدر آباد دکن بھیج دیا تھا۔ میرا رزلٹ نکل چکا تھا اور میں تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوئی تھی۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ جب بلوؤں کا زور ذرا کم ہوا تو میں ہوائی جہاز سے لاہور آ گئی۔"(۷)

بیشتر لوگ سکون کے حصول اور عزت بچانے کی امید کے ساتھ ساتھ زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنے کے ارادے سے پاکستان آئے کہ یہاں وہ نئی زندگی کا آغاز کر سکیں۔ درج بالا اقتباس سے ان تمام مسائل کا پتہ چلتا ہے کہ بہت سے لوگ ہندوستان میں ظلم و ستم کا شکار تھے۔ اس وقت ہجرت ہی ان تمام مسائل کا خاتمہ تھا۔ اس اقتباس پر ذرا گہرائی سے غور و فکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ افسانہ نگار کو خود بھی احساس تھا کہ آزاد ملک میں آزادی سے زندگی بسر کرنا کس قدر ضروری ہے۔ اسی وجہ سے ان کے اکثر افسانوں میں ان تمام حالات کی عکاسی دیکھنے کو ملتی ہے۔

افسانہ "یاد کی اک دھنک جلے" میں بھی یہی انداز پیش کیا گیا ہے کہ جب گریس چچی راوی سے پاکستان آنے کے احوال کا ذکر کرتی ہے تو بچوں کے بزنس اور زندگی کی کامیابی کی اُمید ان کی باتوں سے جھلکتی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اس امید سے پاکستان کی طرف ہجرت کی کہ یہاں زندگی سکون سے گزر جائے گی مگر راوی کے چچا جو ہندوستان ہی میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہو گئے تھے اور جن کا سارا پیسہ وہیں پھنس گیا تھا۔ جس کی وجہ سے معاشی حالات ابتر تھے لیکن بچوں کی ضد کی وجہ سے پاکستان آنا پڑا کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ یہاں اپنا کاروبار شروع کر کے نئے جذبے سے زندگی بسر کرنے کا آغاز کریں گے۔ گریس چچی کا انداز دیکھیے:

"ادھر ہمارا بچہ ضد کیا کہ پاکستان جائے گا، بزنس کرے گا۔ بمبئی میں اس نے کچھ اسٹڈی نہیں کیا، اسکول چھوڑ دیا۔ پھر ادھر اس کو سروس کیسے ملتا؟ پنشن کے بعد صاحب کلکتہ جا کر رہنا مانگتا تھا۔ مگر ہم لوگ بچے کے خیال سے ادھر آ گیا۔ ادھر بھی سب ٹھیک ہے۔ گاڈ از گڈ۔"(۸)

اس اقتباس سے بھی بچوں کی زندگی کے بارے میں فکر مندی کو ظاہر کیا گیا ہے اور یہ فکر مندی صرف پاکستان آ کر ہی ختم ہو سکتی تھی جو ہوئی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہندوستان میں اس وقت اُس نسل کا مستقبل تاریک تھا، تعلیم کی کمی اور دگر گوں حالات کے باعث ان کے حال کے ساتھ ساتھ ان کا مستقبل بھی تباہ ہونے کا خدشہ تھا۔ قرۃ العین حیدر نے اس افسانے میں ہجرت کرنے والوں کے مسائل پر بات کرتے ہوئے اس خصوصی نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہجرت کرنے کے بعد جن لوگوں کے مال، جائیداد اور دوسری قیمتی اشیا ہندوستان میں رہ گئی تھیں وہ انہیں دوبارہ کبھی نہیں ملیں اور ان مسائل کا سامنا زیادہ تر اُن مہاجرین کو کرنا پڑا جو حالات کی بدتری کی وجہ سے پاکستان کو جائے سکونت جان کر یہاں آئے تھے۔

اسی طرح افسانہ "یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر" میں بھی قرۃ العین حیدر نے اس موضوع کو بطورِ خاص پیش کیا ہے کہ مرد تو مرد ہجرت کرنے والی خواتین کو بھی اس قسم کے مسائل کا سامنا تھا۔ پاکستان آئی ہوئی تعلیم یافتہ خواتین بڑی مشکلات سے دوچار رہیں۔ جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رکھی تھی اور فنونِ لطیفہ کی اسناد حاصل کر کے اپنا مستقبل سنوارنا چاہتی تھیں۔ اسی طرح ہندوستان سے کانونٹ کی تعلیم لے کر آئی تھیں جس میں علمِ موسیقی اور رقص وغیرہ شامل ہیں لیکن ان کی ڈگریاں وہاں ہندوستان میں ہی ضبط کر لی گئیں اور وہ چاہ کر بھی یہاں پر نوکری حاصل نہیں کر سکتی تھیں۔ ہجرت کرنے کے بعد ان مسائل سے وہ تعلیم یافتہ عورتیں دوچار رہیں لیکن نئے ملک میں آزادی سے رہنے نے ان کی زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا۔ اور وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے حالات کو بدلنے میں کامیاب ہوئیں۔ انڈیا کی جانب سے یہ زبردستی اس وقت کسی ظلم سے کم نہ تھی کہ نوجوان تعلیم یافتہ خواتین کی ڈگریاں اپنے قبضے میں لے لیں۔ تاکہ وہ زندگی میں آگے نہ بڑھ سکیں۔ اس حرکت سے ان لوگوں کی حسد کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہاں پر راوی کا لہجہ کافی تلخ ہو جاتا ہے۔ اور وہ بڑے افسوس کا اظہار کرتی ہیں۔ افسانے سے اقتباس بطورِ مثال ملاحظہ کریں:

"ہوا یہ کہ انقلاب کے بعد جو لڑکیاں آئیں ان میں سے بہت سی تو کالجوں میں پڑھا رہی ہیں۔ سب نے ہندوستان کی یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں ایم۔ اے کیا ہے اور ہمیشہ فرسٹ آتی رہی ہیں۔ افسوس کہ سب کی ڈگریاں اور اسناد دہلی اور بمبئی کی ایئرپورٹ پر پروی وی نٹو والوں کمبختوں نے قبضے میں لے لیے۔ یہ سب لڑکیاں ہندوستان کے مختلف ہل اسٹیشنوں پر کانونٹ اسکولوں میں پڑھتی تھی اور سب نے موسیقی میں ٹرنٹی کالج سے ڈپلومہ حاصل کیے تھے۔ حیف کہ پیانو کے ساتھ ان کے ڈپلومہ کے کاغذات بھی ہند میں رہ گئے۔"(۹)

اسی طرح ہجرت کے بعد کی زندگی کا نقشہ قرۃ العین حیدر کے بعض افسانوں میں کھل کر سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے ان کے افسانے "جلا وطن"، "قلندر"، "برف باری سے پہلے"، "دجلہ بہ دجلہ۔ یم بہ یم"، "یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر" اور

"لندن لیٹر" قابل ذکر ہیں۔ ان افسانوں کے بعض کردار ہجرت کے ستائے ہوئے ہیں اور جن مسائل کا ہندوستان میں انھیں سامنا تھا یہی مسائل ان کی زندگی میں ہجرت کے بعد بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس دور میں ہجرت ایک لازمی اقدام تھا کیونکہ مشترکہ ہندوستان میں ظلم وستم سہتے سہتے ان کی آنکھیں آزاد وطن کو دیکھنے کے لیے ترس گئی تھیں۔

ہجرت کرنے والوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے وقت گزاری کے لیے یہاں پر اپنے لیے الگ سے مصروفیات بنا لیے تھے۔ ہندوستانی معاشرے میں جو مسلمان لڑکیاں پردہ کرتی تھیں۔ یہاں آکر انھوں نے اس روایت کو توڑ دیا اور مردوں کے ساتھ دفتروں اور مختلف شعبوں میں کام کرنے لگیں۔ اشتراکیت کا جو ماحول ہندوستان میں رائج تھا اب ان لڑکیوں کے خیال میں وہ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ اور یہاں پر اپنی زندگی کو نئی مصروفیات اور ایک نئے ولولے کے ساتھ شروع کرنے کا عزم کیا گیا۔ افسانہ "یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر" میں اس حوالے سے مثالیں موجود ہیں جو نئی آنے والی مہاجر لڑکیوں کی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں:

> "اکثریت ان لڑکیوں کی تھی جو انقلاب سے پہلے پردہ کرتی تھیں۔ لیکن اب جذبہ قومی کی شدت سے مجبور ہو کر مردوں کے ساتھ میدانِ عمل میں دوش بدوش کام کرنے کے سلسلے میں مخلوط کالجوں کے لیڈیز روم میں بیٹھ کر فلمی گانے گنگناتی تھیں۔ کامریڈز تقریباً ناپید تھیں کیونکہ فضا اس کے لیے سازگار نہ تھی۔ اشتراکیت کی دھن اور اس کا ماحول افسوس کہ وطنِ مرحوم کی یونیورسٹیوں میں رہ گیا۔ یہاں پر ملت اقبال اور ذوقِ جہاد زیادہ طاری تھا۔ یہ لڑکیاں اپنا زیادہ وقت غرارے سلوانے اور کپڑوں کے متعلق تبادلۂ خیال میں گزارتی تھیں۔"(۱۰)

افسانہ "دجلہ بہ دجلہ۔ یم بہ یم" میں راوی کا کردار اس وقت کے حالات پر تبصرہ کرتی ہے جب وہ آزادی کے بعد نئے ملک میں سکون کی زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح مختلف کرداروں کی باتوں اور ان کے اظہارِ خیال سے ہی نئے ملک کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں:

> "۔۔۔۔ لیکن ہم یقیناً زندہ تھے اور اس وقت کھانے کے بعد اپنے اس نئے ملک میں بیٹھے قہوہ پی رہے تھے اور اسٹیشن سے واپسی پر نادر بچوں کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے کلب اور۔۔۔۔" اچھن یار جنگ اور جانے کہاں کہاں کے قصے سنا رہا تھا اور پولی کہہ رہی تھی بھئی واہ جیمی کی نئی جائے تقرر کا نام کس قدر دلچسپ ہے، گویا کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ گویا ہم سب ہمیشہ سے اسی جگہ اسی طرح رہتے آئے ہوں۔ انسان کتنی جلدی اپنی ساری تکلیفیں ساری پریشانیاں بھول کر نئے حالات اور نئے ماحول سے مانوس ہو جاتا ہے۔"(۱۱)

قرۃ العین حیدر نے اپنے افسانے "ستاروں سے آگے" میں نئے ملک کے بننے اور تقسیم کی مخالفت کی ہے کہ نئے ملک کے بننے سے انسان مٹتے چلے جائیں گے اور ساتھ میں لوگ ایک دوسرے پر بارود برسا کر ظلم وستم کا بازار گرم کر دیں گے۔ جیسے:

"یہ امن اور خوش گوار دنیا ہے۔ ایٹم بم کی دنیا (جس میں پاکستان کے خواب دیکھنا انتہائی حماقت ہے)۔ زندہ باد اخوتِ انسانی، پائندہ باد عالمگیر جمہوریت۔"(۱۲)

قرۃ العین حیدر کے افسانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ تقسیم کے خلاف تھیں اور نہ پاکستان بننے کی مخالفت کرتی تھیں۔ مگر وہ ان خونریزیوں کی حمایت میں کبھی نہیں گئی جو ملک کے نام پر کی گئیں۔ اور نہ وہ ان لوگوں کی حمایت کر سکتی تھیں جنھوں نے ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کے خوابوں کو اپنی خواہشات کے لیے چکنا چور کیا۔ وہ تو بس محبت کرنا جانتی تھیں جو انسانیت کو معراج تک پہنچاتی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اگر وہ چاہتیں تو کبھی نہ آتیں لیکن ان کے یہاں آنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کے حق میں تھیں۔ نظریۂ پاکستان کے حوالے سے قرۃ العین حیدر کے افسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ پاکستان بننے سے پہلے کا ہے جس میں طرح طرح کے خدشات لاحق تھے اور ان خدشات کے ساتھ نئے ملک سے توقعات بھی وابستہ تھیں۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے ہاں گرمجوشی دکھائی دیتی ہے اور جگہ جگہ پر سیاسی مباحث وسیاسی تحریکوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اور لوگ جوق در جوق ان سیاسی تحریکوں میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔

دوسرا حصہ آزادی کے دور کا ہے جس میں لوگ ہجرت کرتے ہیں اور ہجرت کرنے والوں کو طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہجرت کرنے والوں میں سے بیشتر لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور جو لوگ ہندوستان میں رہ گئے ان کے ساتھ بھی ناروا سلوک رکھا گیا۔ ان کے ہاں یہ حصہ کافی دردناک اور درد انگیز ہے۔ ان جیسے دکھوں کو محسوس کرتے ہوئے قرۃ العین حیدر نے بعض افسانوں میں اسی قسم کے واقعات پیش کیے ہیں۔

تیسرا حصہ آزادی کے بعد کا دور ہے جس میں بیشتر لوگ بہت ساری تمناؤں، آرزوؤں اور خواہشات کو لے کر پاکستان چلے آئے تھے اور ایک نئے ملک میں نئی زندگی کی تلاش میں آکر یہاں سکونت اختیار کی تھی۔ لیکن یہاں کے حالات اور مشکلات دیکھ کر بعض لوگ واپس چلے گئے اور بعض یہاں کے افراد کی نفرتوں کے بھینٹ چڑھ گئے۔

قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں نظریہ پاکستان کے حوالے سے کافی مواد موجود ہے۔ اس مسئلے کو انہوں نے باقاعدہ موضوع تو نہیں بنایا لیکن ان کے دو مجموعوں "شیشے کے گھر" اور "پت جھڑ کی آواز" میں نظریۂ پاکستان کی بازگشت ضرور سنائی دیتی ہے۔ ان کے افسانوں کو پڑھتے ہوئے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے خیال میں پاکستان ہی ان لوگوں (خصوصاً مسلمانوں) کے لیے ایک جائے پناہ تھی جو ہندوستان میں پہلے انگریزوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے اور اب ہندوؤں اور سامراجی نظام کی ناانصافیوں کے بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ قرۃ العین حیدر خود بھی ان تمام حالات کی چشم دید گواہ ہیں اور ان حالات کا وہ خود بھی تجربہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح اپنے مشاہدے کے زور پر انھوں نے تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد کے حالات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور نتیجے کے طور پر مسلمانوں اور ستم زدہ لوگوں کے لیے پاکستان کو امن کے گہوارے کے طور پر پیش کیا۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد، مثال پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۴۳۹

۲۔ مسرت جہاں، ڈاکٹر، قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری (ایک تنقیدی مطالعہ)، دہلی، عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۵۴

۳۔ قرۃ العین حیدر، لندن لیٹرز، مشمولہ: شیشے کے گھر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۲۶۶

۴۔ قرۃ العین حیدر، برف باری سے پہلے، مشمولہ، شیشے کے گھر، ایضاً، ص ۹۶

۵۔ قرۃ العین حیدر، جلاوطن، ایضاً، ص ۲۹۸۔۲۹۹

۶۔ قرۃ العین حیدر، اودھ کی شام، مشمولہ، ستاروں سے آگے، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵۲

۷۔ قرۃ العین حیدر، پت جھڑ کی آواز، مشمولہ، پت جھڑ کی آواز، ایضاً، ص ۱۸۶

۸۔ قرۃ العین حیدر، یاد کی اک دھنک جلے، مشمولہ، پت جھڑ کی آواز، ایضاً، ص ۱۱۰

۹۔ قرۃ العین حیدر، یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر، مشمولہ، شیشے کے گھر، ایضاً، ص ۱۸۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۶۔۱۷۷

۱۱۔ قرۃ العین حیدر، دجلہ بہ دجلہ۔یم بہ یم، مشمولہ، شیشے کے گھر، ایضاً، ص ۲۲۵

۱۲۔ قرۃ العین حیدر، رقص شرر، مشمولہ، ستاروں سے آگے، ایضاً، ص ۱۴۳

Reference in Roman Script:

1. Anwar Ahmad, Dr., Urdu Afsana Ek Seedy Ka Kissa, Faisalabad, Misaal Publications, 2007, p. 439

2. Musrat Jahan, Ph.D., Quratul Ain Ki afsaana Nigari (Aik Tanqidi Jaiza), Delhi, Arshiya Publications,
2014, p.54

3. Qaratul Ain Haider, London Letters, (Mashmola) ,Sheeshay Ka Ghar, Lahore,Sang-e-Meel Publications, 2016, p.266

4. Qur'at-ul-Ain Haider,Barfbari Se Pahlay, (Mashmola), Sheeshay Ka Ghar,Ibid, p. 96

5. Qarat-ul-Ain Haider, Jala Watan,Ibid, p.298-299

6. Qarat-ul-Ain Haider, Sham of Oudh,(Mashmola),Sitaron Se Agay, Lahore, Lahore,Sang-e-Meel Publications, 2016, 2015, p.152

7. Qarat-ul-Ain Haider,Pate Jhar ki Awaz , (Mashmola) ,The Voice of the Pate Jhar, Lahore,Sang-e-Meel Publications, p.186

8. Qarat-ul-Ain Haider,Yaad ki Aik Dhanak Jalay , (Mashmola) ,Pat Jahr ki Awaz, Lahore, Sang-e-Meel Publications, p. 110

9. Qarat-ul-Ain Haider, Yeh Daq Daq Ujjala, Yeh Shab Gazida Suhar, (Mashmola),House of Glass, Sang-e-Meel Publications,p.186

10. Also, pp. 176-177

11. Qarat al-Ain Haider,Jalla ba Dajjala-Yam ba Yam, (Mashmola),Houses of Glass, Lahore, Lahore,Sang-e-Meel Publications, p.225

12. Qur'an al-Ain Haider,Raqs-r-Sharrer,(Mashmola),Sitaron Se Agay, Lahore, Lahore,Sang-e-Meel Publications, p.143